ساغر صدیقی سے
وصی شاہ تک

ہائے آدابِ محبت کے تقاضے ساغر
لب ہلے اور شکایات نے دم توڑ دیا
ساغر صدیقی

مانا کہ وصی شاہ سے تم کو ہیں بہت شکوے
دیوانہ ہے دیوانہ ، دیوانے کو کیا کہیئے
وصی شاہ

انتخاب
سحر بانو

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

B.L.L. ... Abad Sargodha Road Gujrat.
Books Lover's Library
Book No: 238
Incharge: Ahmad Raza Cell: 0341-4932140

Marfat.com

آؤ اِک سجدہ کریں عالمِ مدہوشی میں
لوگ کہتے ہیں کہ ساغؔر کو خدا یاد نہیں

(ساغر صدیقی)

میں خوش نصیبی ہوں تیری، مجھے بھی راس ہے تُو
تیرا لباس ہوں میں اور میرا لباس ہے تُو

(وصی شاہ)

Marfat.com

26	حفیظ ہوشیارپوری	محبت کرنے والے کم نہ ہوں گے	64
27	حفیظ جالندھری	ہم ہی میں تھی نہ کوئی بات یاد نہ تم کو آ سکے	65
28	حبیب جالب	اِس درد کی دنیا سے گزر کیوں نہیں جاتے	67
29	خاطر غزنوی	گو ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے	68
30	خالد شریف	رخصت ہوا تو بات مری مان کر گیا	69
31	ساحر لدھیانوی	کبھی خود پہ کبھی حالات پہ رونا آیا	70
	ساحر لدھیانوی	محبت ترک کی میں نے، گریباں سی لیا میں نے	71
32	سعد اللہ شاہ	تمہی ملتے تو اچھا تھا	72
33	سعید واثق	پیار کے دیپ جلانے والے کچھ کچھ پاگل ہوتے ہیں	73
34	سلیم بے تاب	صحراؤں میں جا پہنچی ہے شہروں سے نکل کر	75
	سلیم بے تاب	جی میں آتا ہے کہ اک روز یہ منظر دیکھیں	77
35	سیف الدین سیف	مری داستانِ حسرت وہ سنا سنا کے روئے	78
36	سلیم کوثر	میں خیال ہوں کسی اور کا مجھے سوچتا کوئی اور ہے	79
37	شان الحق حقی	تم سے اُلفت کے تقاضے نہ نباہے جاتے	80
38	شبنم شکیل	سوکھے ہونٹ، سلگتی آنکھیں، سرسوں جیسا رنگ	81
39	شریف کنجاہی	تلاش جن کی ہے وہ دن ضرور آئیں گے	82
40	شکیل اختر	ہونٹوں پہ ساحلوں کی طرح تشنگی رہی	83
41	صوفی غلام مصطفیٰ تبسم	غم نصیبوں کو کسی نے تو پکارا ہو گا	84
42	عباس تابش	پانی آنکھ میں بھر کر لایا جا سکتا ہے	85
43	عبید اللہ علیم	محبتوں کے یہ دریا اتر نہ جائیں کہیں	86
44	عدیم ہاشمی	فاصلے ایسے بھی ہوں گے، یہ کبھی سوچا نہ تھا	87
45	عطاء الحق قاسمی	ایک فلرٹ لڑکی (نظم)	88
46	غلام محمد قاصر	شوق برہنہ پا چلتا تھا اور رستے پتھریلے تھے	90
47	فرحت عباس شاہ	تو نے دیکھا ہے کبھی ایک نظر شام کے بعد	91
48	فیض احمد فیض	تم آئے ہو نہ شب انتظار گزری ہے	92
49	فیضان عارف	محبتوں میں ہر ایک لمحہ وصال ہوگا یہ طے ہوا تھا	93

❀

برگشتۂ یزداں سے کچھ بھول ہوئی ہے
بھٹکے ہوئے انساں سے کچھ بھول ہوئی ہے

تارے سے چمک اٹھے ہیں ساقی کی جبیں پر
شاید مرے ایمان سے کچھ بھول ہوئی ہے

تا حدِ نظر شعلے ہی شعلے ہیں چمن میں
پھولوں کے نگہبان سے کچھ بھول ہوئی ہے

شاخوں پہ چٹکتے ہوئے غنچوں کو مبارک
اس زلف پریشان سے کچھ بھول ہوئی ہے

❀

منزلِ غم کی فضاؤں سے لپٹ کر رو لوں
ترے دامن کی ہواؤں سے لپٹ کر رو لوں

جامِ مے پینے سے پہلے مرا جی چاہتا ہے
بکھری زلفوں کی گھٹاؤں سے لپٹ کر رو لوں

زرد غنچوں کی نگاہوں میں نگاہیں ڈالوں
سرخ پھولوں کی قباؤں سے لپٹ کر رو لوں

آنے والے ترے رستے میں بچھاؤں آنکھیں
جانے والے ترے پاؤں سے لپٹ کر رو لوں

اپنے مجبور تقدس کے سہارے ساغؔر
دیر و کعبہ کے خداؤں سے لپٹ کر رو لوں

ہر شناور کو نہیں ملتا تلاطم سے خراج
ہر سفینے کا محافظ ناخدا ہوتا نہیں

ہر بھکاری پا نہیں سکتا مقامِ خواجگی
ہر کس و ناکس کو تیرا غم عطا ہوتا نہیں

ہائے یہ بیگانگی اپنی نہیں مجھ کو خبر
ہائے یہ عالم کہ تو دل سے جدا ہوتا نہیں

بارہا دیکھا ہے ساغرؔ رہگذارِ عشق میں
کارواں کے ساتھ اکثر رہنما ہوتا نہیں

✿

ہوئی ہے شام تو آنکھوں میں بس گیا پھر تو
کہاں گیا ہے مرے شہر کے مسافر! تو

بہت اداس ہے اِک شخص تیرے جانے سے
جو ہو سکے تو چلا آ اُسی کی خاطر تو

مری مثال کہ اِک نخل خشک صحرا ہوں
تیرا خیال کہ شاخِ چمن کا طائر تو

میں جانتا ہوں کہ دنیا تجھے بدل دے گی
میں مانتا ہوں کہ ایسا نہیں بظاہر تو

ہنسی خوشی سے بچھڑ جا اگر بچھڑنا ہے
یہ ہر مقام پہ کیا سوچتا ہے آخر تو

فرازؔ تو نے اسے مشکلوں میں ڈال دیا
زمانہ صاحبِ زر اور صرف شاعر تو

❀

شعلہ تھا جل بجھا ہوں ہوائیں مجھے نہ دو
میں کب کا جا چکا ہوں صدائیں مجھے نہ دو

جو زہر پی چکا ہوں تمہی نے مجھے دیا
اب تم تو زندگی کی دعائیں مجھے نہ دو

یہ بھی بڑا کرم ہے سلامت ہے جسم ابھی
اے خسروانِ شہر قبائیں مجھے نہ دو

ایسا نہ ہو کبھی کہ پلٹ کر نہ آ سکوں
ہر بار دور جا کے صدائیں مجھے نہ دو

کب مجھ کو اعتراف محبت نہ تھا فرازؔ
کب میں نے یہ کہا تھا سزائیں مجھے نہ دو

❀

سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
سو اس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں

سنا ہے ربط ہے اس کو خراب حالوں سے
سو اپنے آپ کو برباد کر کے دیکھتے ہیں

سنا ہے درد کی گاہک ہے چشمِ ناز اُس کی
سو ہم بھی اُس کی گلی سے گزر کے دیکھتے ہیں

سنا ہے اُس کو بھی ہے شعر و شاعری سے شغف
سو ہم بھی معجزے اپنے ہنر کے دیکھتے ہیں

سنا ہے بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں
یہ بات ہے تو چلو بات کر کے دیکھتے ہیں

سنا ہے رات کو اُسے چاند تکتا رہتا ہے
ستارے بامِ فلک سے اُتر کے دیکھتے ہیں

استاد قمر جلالوی

تم نے جو میری قبر پہ آ کر یوں مسکرا دیا
بجلی تڑپ کے گر پڑی سارا کفن جلا دیا

پھول چڑھا کے قبر پہ احسان کیا کیا
میں نے تمہارے پیار میں مر کر دکھا دیا

جاؤ سدھارو میری جاں تم پہ ہو خدا کی امان
بچھڑے ہوئے ملیں گے اگر قسمت نے ملا دیا

کس نے آ کر پھول چڑھائے کون فاتحہ پڑھ گیا
اُجڑے ہوئے مزار پہ کس نے دیا جلا دیا

چین سے سو رہے تھے اوڑھے کفن مزار میں
یہاں بھی ستانے آ گئے کس نے پتہ بتا دیا

اشرف جاوید

❀

بچھڑتے موسم، اداس لمحے، گئے دنوں کا ملال رکھنا
ملال والو خزاں رُتوں کی گلاب یادیں سنبھال رکھنا

منافرت کے گلیشیئر کو زباں کے سورج سے چاٹتے ہیں
چمک اٹھیں گی صلیب راتیں لہو کے نیزے سنبھال رکھنا

جب اپنے اندر سے رابطوں کے تمام رستے کٹے ہوئے ہیں
تو بے تعلق رُتوں کے آنگن سے ایک رشتہ بحال رکھنا

فراق راتوں کی چاندنی جب بیاض جسموں کو ڈس رہی ہو
تم اپنے پیکر کی اک غزل بھی نہ بجھنے دینا خیال رکھنا

وہ بوڑھا برگد محبتوں کا گواہ تھا، کٹ چکا ہے، اشرف
اب اس سے وابستہ ہر کہانی کو اپنے جی سے نکال رکھنا

❀

نہ جی بھر کے دیکھا، نہ کچھ بات کی
بڑی آرزو تھی ملاقات کی

شبِ ہجر تک کو یہ تشویش ہے
مسافر نے جانے کہاں رات کی

مقدر مری چشم پر آب کا
برستی ہوئی رات برسات کی

اجالوں کی پریاں نہانے لگیں
ندی گنگنائی خیالات کی

میں چپ تھا تو چلتی ہوا رک گئی
زباں سب سمجھتے ہیں جذبات کی

کئی سال سے کچھ خبر ہی نہیں
کہاں دن گزارا کہاں رات کی

❀

کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی
اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

وہ کہیں بھی گیا، لوٹا تو مرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی مرے ہرجائی کی

تیرا پہلو، ترے دل کی طرح آباد رہے
تجھ پہ گزرے نہ قیامت شبِ تنہائی کی

اس نے جلتی ہوئی پیشانی پر جب ہاتھ رکھا
روح تک آ گئی تاثیر مسیحائی کی

اب بھی برسات کی راتوں میں بدن ٹوٹتا ہے
جاگ اٹھتی ہیں عجب خواہشیں انگڑائی کی

❀

نیا اِک رشتہ پیدا کیوں کریں ہم
بچھڑنا ہے تو جھگڑا کیوں کریں ہم

خموشی سے ادا ہو رسمِ دوری
کوئی ہنگامہ برپا کیوں کریں ہم

یہ کافی ہے کہ ہم دشمن نہیں ہیں
وفا داری کا دعویٰ کیوں کریں ہم

وفا، اخلاص، قربانی، مروّت
اب ان لفظوں کا پیچھا کیوں کریں ہم

سنا دیں عصمتِ مریم کا قصہ؟
پر اب اس باب کو وا کیوں کریں ہم

زلیخائے عزیزاں بات یہ ہے
بھلا گھاٹے کا سودا کیوں کریں ہم

ہماری ہی تمنا کیوں کرو تم
تمہاری ہی تمنا کیوں کریں ہم

حسن رضوی

❀

کبھی کتابوں میں پھول رکھنا، کبھی درختوں پہ نام لکھنا
ہمیں بھی ہے یاد آج تک وہ نظر سے حرفِ سلام لکھنا

وہ چاند چہرے وہ بہکی باتیں سلگتے دن تھے سلگتی راتیں
وہ چھوٹے چھوٹے سے کاغذوں پر محبتوں کے پیام لکھنا

گلاب چہروں سے دل لگانا وہ چپکے چپکے نظر ملانا
وہ آرزوؤں کے خواب بننا وہ قصۂ ناتمام لکھنا

مرے نگر کی حسیں فضاؤ! کہیں جو ان کا نشان پاؤ
تو پوچھنا یہ کہاں بسے وہ، کہاں ہے ان کا قیام لکھنا

گئی رتوں میں حسن ہمارا بس ایک ہی تو یہ مشغلہ ہے
کسی کے چہرے کو صبح لکھنا کسی کی زلفوں کو شام لکھنا

حفیظ ہوشیارپوری

محبت کرنے والے کم نہ ہوں گے
تری محفل میں لیکن ہم نہ ہوں گے

میں اکثر سوچتا ہوں پھول کب تک
شریکِ گریۂ شبنم نہ ہوں گے

ذرا دیر آشنا چشمِ کرم ہے
سِتم ہی عشق میں پیہم نہ ہوں گے

دلوں کی الجھنیں بڑھتی رہیں گی
اگر کچھ مشورے باہم نہ ہوں گے

زمانے بھر کے غم یا اِک ترا غم
یہ غم ہوگا تو کتنے غم نہ ہوں گے

اگر تو اتفاقاً مل بھی جائے
تری فرقت کے صدمے کم نہ ہوں گے

حفیظ ان سے میں جتنا بدگماں ہوں
وہ مجھ سے اس قدر برہم نہ ہوں گے

حفیظ جالندھری

❀

ہم ہی میں تھی نہ کوئی بات یاد نہ تم کو آ سکے
تم نے ہمیں بھلا دیا، ہم نہ تمہیں بھلا سکے

تُم ہی اگر نہ سن سکے قصۂ غم، سنے گا کون
کِس کی زباں کھلے گی پھر ہم نہ اگر سنا سکے

ہوش میں آ چکے تھے ہم جوش میں آ چکے تھے ہم
بزم کا رنگ دیکھ کر سر نہ مگر اٹھا سکے

رونقِ بزم بن گئے لب پہ حکایتیں رہیں
دل میں شکایتیں رہیں لب نہ مگر ہلا سکے

❀

رخصت ہوا تو بات مری مان کر گیا
جو اس کے پاس تھا وہ مجھے دان کر گیا

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

دلچسپ واقعہ ہے کہ کل اک عزیز دوست
اپنے مفاد پر مجھے قربان کر گیا

کتنی سدھر گئی ہے جدائی میں زندگی
ہاں وہ جفا سے مجھ پہ تو احسان کر گیا

خالد میں بات بات پہ کہتا تھا جس کو جان
وہ شخص آخرش مجھے بے جان کر گیا

❀

میں خیال ہوں کسی اور کا مجھے سوچتا کوئی اور ہے
سرِ آئینہ مِرا عکس ہے پسِ آئینہ کوئی اور ہے

میں کِسی کے دستِ طلب میں ہوں نہ کِسی کے حرفِ دعا میں ہوں
میں نصیب ہوں کسی اور کا مجھے مانگتا کوئی اور ہے

جو وہ لوٹ آئیں تو پوچھنا نہیں دیکھنا انہیں غور سے
جنہیں راہ میں یہ خبر ملی کہ یہ راستہ کوئی اور ہے

مِری روشنی ترِے خدوخال سے مختلف تو نہیں مگر
تو قریب آ تجھے دیکھ لوں تو وہی ہے یا کوئی اور ہے

تجھے دشمنوں کی خبر نہ تھی، مجھے دوستوں کا پتہ نہیں
تِری داستاں کوئی اور تھی مِرا واقعہ کوئی اور ہے

شبنم شکیل

سوکھے ہونٹ، سلگتی آنکھیں، سرسوں جیسا رنگ
برسوں بعد وہ دیکھ کے مجھ کو رہ جائے گا دنگ

ماضی کا وہ لمحہ مجھ کو آج بھی خون رُلائے
اُکھڑی اُکھڑی باتیں اس کی، غیروں جیسے ڈھنگ

تارا بن کے دور افق پر کانپے، لرزے، ڈولے
کچی ڈور سے اڑنے والی دیکھو ایک پتنگ

دل کو تو پہلے ہی درد کی دیمک چاٹ گئی تھی
روح کو بھی اب کھاتا جائے تنہائی کا زنگ

انہی کے صدقے یا رب میری مشکل کر آسان
میرے جیسے اور بھی ہیں جو دل کے ہاتھوں تنگ

سب کچھ دے کر ہنس دے اور پھر کہنے لگی تقدیر
کبھی نہ ہوگی پوری تیرے دل کی ایک امنگ

شبنم کوئی جو تجھ سے ہارے، جیت پہ مان نہ کرنا
جیت وہ ہوگی جب جیتو گی اپنے آپ سے جنگ

شریف کنجاہی

تلاش جن کی ہے وہ دن ضرور آئیں گے
یہ اور بات سہی، ہم نہ دیکھ پائیں گے

یقیں تو ہے کہ کھلے گا--- نہ کھل سکا بھی اگر
درِ بہار پہ دستک دیئے ہی جائیں گے

غنودہ راہوں کو تک تک کے سوگوار نہ ہو
ترے قدم ہی مسافر! انہیں جگائیں گے

لبوں کی موت سے بدتر ہے فکر و جذب کی موت
کدھر ہیں وہ جو انہیں موت سے بچائیں گے

طویل رات بھی آخر کو ختم ہوتی ہے
شریف ہم نہ اندھیروں سے مات کھائیں گے

شکیل اختر

❀

ہونٹوں پہ ساحلوں کی طرح تشنگی رہی
میں چپ ہوا تو میری انا چیختی رہی

اک نام کیا لکھا ترا ساحل کی ریت پر
پھر عمر بھر ہوا سے مری دشمنی رہی

سڑکوں پہ سرد رات رہی میری ہمسفر
آنکھوں میں میرے ساتھ تھکن جاگتی رہی

یادوں سے کھیلتی رہی تنہائی رات بھر
خوشبو کے انتظار میں شب بھیگتی رہی

وہ لفظ لفظ مجھ پہ اترتا رہا شکیل
سوچوں پہ اس کے نام کی تختی لگی رہی

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

غم نصیبوں کو کسی نے تو پکارا ہوگا
اس بھری بزم میں کوئی تو ہمارا ہوگا

آج کس یاد سے چمکی تری چشمِ پرنم
جانے یہ کس کے مقدر کا ستارا ہوگا

جانے اب حسن لٹائے گا کہاں دولتِ درد
جانے اب کس کو غمِ عشق کا یارا ہوگا

تیرے چھپنے سے چھپیں گی نہ ہماری یادیں
تو جہاں ہوگا وہیں ذِکر ہمارا ہوگا

یوں جدائی تو گوارا تھی، یہ معلوم نہ تھا
تجھ سے یوں مل کے بچھڑنا بھی گوارا ہوگا

چھوڑ کر آئے تھے جب شہرِ تمنا ہم لوگ
مُدّتوں راہگذاروں نے پکارا ہوگا

مسکراتا ہے تو اک آہ نکل جاتی ہے
یہ تبسم بھی کوئی درد کا مارا ہوگا

عبیداللہ علیم

❀

محبتوں کے یہ دریا اتر نہ جائیں کہیں
جو دل گلاب ہیں زخموں سے بھر نہ جائیں کہیں

ابھی تو وعدہ و پیماں ہیں اور یہ حال اپنا
وصال ہو تو کوشی سے ہی مر نہ جائیں کہیں

یہ رنگ چہرے کے اور خواب اپنی آنکھوں کے
ہوا چلے کوئی ایسے بکھر نہ جائیں کہیں

جھلک رہا ہے جن آنکھوں سے اب وجود مرا
آنکھیں ہائے یہ آنکھیں مکر نہ جائیں کہیں

پکارتی ہی نہ رہ جائے یہ زمیں پیاسی
برسنے والے یہ بادل گزر نہ جائیں کہیں

نڈھال اہلِ طرب ہیں کہ اہلِ گلشن کے
بجھے بجھے سے یہ چہرے سنور نہ جائیں کہیں

فضائے شہر عقیدوں کی دھند میں ہے اسیر
نکل کے گھر سے اب اہلِ نظر نہ جائیں کہیں

عدیم ہاشمی

❀

فاصلے ایسے بھی ہوں گے، یہ کبھی سوچا نہ تھا
سامنے بیٹھا تھا میرے اور وہ میرا نہ تھا

آنکھ کا دھوکا کہوں اس کو کہ سائے کا وجود
میں اسے محسوس کر سکتا تھا چھو سکتا نہ تھا

خود چڑھا رکھے تھے تن پر اجنبیت کے غلاف
ورنہ کب اک دوسرے کو ہم نے پہچانا نہ تھا

رات بھر پچھلی ہی آہٹ کان میں آتی رہی
جھانک کر دیکھا گلی میں کوئی بھی پھرتا نہ تھا

یہ سبھی ویرانیاں اس کے جدا ہونے سے تھیں
آنکھ دھندلائی ہوئی تھی، شہر دھندلایا نہ تھا

سینکڑوں طوفان لفظوں کے دبے تھے زیرِ لب
ایک پتھر تھا خموشی کا کہ جو ہٹتا نہ تھا

یاد کر کے اور بھی تکلیف ہوتی تھی عدیمؔ
اب سوائے بھول جانے کے کوئی چارہ نہ تھا

لیکن وہ کیا لڑکی تھی!
لڑکی تھی کہ پہیلی تھی!
اُلٹے سیدھے رستوں پر
آنکھیں ڈھانپ کے چلتی تھی
بھیگی بھیگی راتوں میں
تنہا تنہا روتی تھی
میلے میلے کپڑوں میں
اُجلی اُجلی لگتی تھی
اُس کے سارے خواب نئے
اور تعبیر پرانی تھی

غلام محمد قاصرؔ

❀

شوق برہنہ پا چلتا تھا اور رستے پتھریلے تھے
گھستے گھستے گھس گئے آخر کنکر جو نوکیلے تھے

خارِ چمن تھے شبنم شبنم، پھول بھی سارے گیلے تھے
شاخ سے ٹوٹ کے گرنے والے پتے پھر بھی پیلے تھے

سرد ہواؤں سے تو تھے ساحل کی ریت کے یارانے
لو کے تھپیڑے سہنے والے صحراؤں کے ٹیلے تھے

تابندہ تاروں کا تحفہ صبح کی خدمت میں پہنچا
رات نے چاند کی نذر کیے جو تارے کم چمکیلے تھے

سارے سپیرے ویرانوں میں گھوم رہے ہیں بین لیے
آبادی میں رہنے والے سانپ بڑے زہریلے تھے

تم یوں ہی ناراض ہوئے ہو ورنہ میخانہ کا پتا
ہم نے ہر اس شخص سے پوچھا جس کے نین نشیلے تھے

کون غلام محمد قاصرؔ بے چارے سے کرتا بات
یہ چالاکوں کی بستی تھی اور حضرت شرمیلے تھے

فیض احمد فیض

❀

تم آئے ہو نہ شب انتظار گزری ہے
تلاش میں ہے سحر بار بار گزری ہے

جنوں میں جتنی بھی گزری ہے
اگرچہ دل پہ خرابی ہزار گزری ہے

ہوئی ہے حضرت ناصح سے گفتگو جس شب
وہ شب ضرور سر کوئے یار گزری ہے

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

نہ گل کھلے ہیں نہ ان سے ملے، نہ مے پی ہے
عجیب رنگ میں اب کے بہار گزری ہے

چمن پہ غارت گلچیں سے جانے کیا گزری
قفس سے آج صبا بے قرار گزری ہے

❀

سب کچھ سمجھ میں آتا ہے
وہ ہم سے کیوں گھبراتا ہے

وہی ہے آنکھ سے دور بہت
جِس سے یہ دِل کا ناطہ ہے

اُس کے آگے چندا سورج
نہ کوئی دِل کو بھاتا ہے

سب آگ لگاتے ہیں اور بس
کب کوئی آگ بجھاتا ہے

مرتضٰی برلاس

❀

آنکھ برسی ہے ترے نام پہ ساون کی طرح
جسم سلگا ہے تری یاد میں ایندھن کی طرح

لوریاں دی ہیں کسی قُرب کی خواہش نے مجھے
کچھ جوانی کے بھی دن گزرے ہیں بچپن کی طرح

اس بلندی سے مجھے تو نے نوازا کیوں تھا
گر کے میں ٹوٹ گیا کانچ کے برتن کی طرح

مجھ سے ملتے ہوئے یہ بات بھی سوچی ہوتی
میں ترے دل میں سما سکتا ہوں دھڑکن کی طرح

اب زلیخا کو نہ بدنام کرے گا کوئی
اس کا دامن بھی دریدہ، میرے دامن کی طرح

منتظر ہے کسی مخصوص سی آہٹ کے لیے
زندگی بیٹھی ہے دہلیز پہ، برہن کی طرح

نہ کوئی راہ اجالی، نہ شبستاں میں جلا
ٹمٹماتا ہوں چراغِ سرِ مدفن کی طرح

منور علی گورچانی

❀

کیا بتاؤں کیا ہے اپنا حال تیرے بعد
اک دن بھی اب تو لگتا ہے اِک سال تیرے بعد

یوں تو ویسے ہی لازوال تھی چاہت اپنی
اب ہو گیا میں عاشق بے مثال تیرے بعد

تم گئے تو خوشیاں بھی روٹھ گئیں ساری
ہو گیا مسرتوں کا انتقال تیرے بعد

کبھی ہنستا ہوں اپنی بے بسی پہ کبھی روتا ہوں
زندگی بن گئی ہے صنم وبال تیرے بعد

ساون سا رہنے لگا ہے اب تو ہر وقت نظر میں
ہوتی رہتی ہے اکثر ہستی پامال تیرے بعد

وہ گیا تو پھر کوئی دل میں نہ آیا منورؔ
بن کے رہ گیا ہوں خود کیلئے سوال تیرے بعد

منیر نیازی

اس بے وفا کا شہر ہے اور ہم ہیں دوستو
اشکِ رواں کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو

یہ اجنبی سی منزلیں اور رفتگاں کی یاد
تنہائیوں کا زہر ہے اور ہم ہیں دوستو

لائی ہے اب اُڑا کے گئے موسموں کی باس
بَرکھا کی رُت کا قہر ہے اور ہم ہیں دوستو

پھرتے ہیں مثلِ موجِ ہوا شہر شہر میں
آوارگی کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو

شامِ اَلم ڈھلی تو چلی درد کی ہوا
راتوں کا پچھلا پہر ہے اور ہم ہیں دوستو

آنکھوں میں اُڑ رہی ہے لُٹی محفلوں کی دُھول
عبرت سرائے دَہر ہے اور ہم ہیں دوستو

نوشی گیلانی

❀

ہوا کو لکھنا جو آ گیا ہے
اب اُس کی مرضی کہ وہ خزاں کو بہار لکھ دے
بہار کو انتظار لکھ دے
سفر کی خواہش کو واہموں کے عذاب سے
ہم کنار لکھ دے
وفا کے رستوں پہ چلنے والوں کی قسمتوں میں
غبار لکھ دے
ہوا کو لکھنا جو آ گیا ہے
ہوا کی مرضی کہ وصل موسم میں ہجر کو حصہ دار لکھ دے
محبتوں میں گزرنے والی رُتوں کو ناپائیدار لکھ دے
شجر کو بے سایہ دار لکھ دے
ہوا کو لکھنا جو آ گیا ہے
اب اس کی مرضی کہ وہ ہمارے دیئے بجھائے
شبوں کو بااختیار کر کے سحر کو بے اعتبار لکھ دے
ہوا کو لکھنا سکھانے والو
ہوا کو لکھنا جو آ گیا ہے

نہ جانے ہو گیا ہوں اس قدر حساس مَیں کب سے
کِسی سے بات کرتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

وہ سب گزرے ہوئے لمحات مجھ کو یاد آتے ہیں
تمہارے خط جو پڑھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

میں سارا دِن بہت مصروف رہتا ہوں مگر جونہی
قدم چوکھٹ پہ رکھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

کنگن

کاش مَیں تیرے حَسیں ہاتھ کا کنگن ہوتا
تُو بڑے پیار سے چاؤ سے بڑے مان کے ساتھ
اپنی نازک سی کلائی میں چڑھاتی مجھ کو
اور بے تابی سے فرقت کے خزاں لمحوں میں
تو کسی سوچ میں ڈوبی جو گھماتی مجھ کو
مَیں ترے ہاتھ کی خُوشبو سے مہک سا جاتا
جب کبھی موڈ میں آ کر مجھے چوما کرتی
تیرے ہونٹوں کی مَیں حِدّت سے دہک سا جاتا
رات کو جب بھی تو نیندوں کے سفر پر جاتی

وصی شاہ کی نئی کتاب "میرے ہو کے رہو"

میں سے ایک نظم

میں جو دن کو بھی کہوں رات، وہ اقرار کرے
مجھ کو حسرت ہے کوئی یوں بھی مجھے پیار کرے
میری خاطر وہ سہے دنیا کے طعنے، دھکے
ننگے پیروں سے وہ صحراؤں کے کانٹے چکھے
مجھ کو پانے کے لیے جون کے روزے رکھے
میں ہوں دیوانہ وہ دیوانوں سا اظہار کرے
مجھ کو حسرت ہے کوئی یوں بھی مجھے پیار کرے